۸ ستمبر سنہ ۱۹۶۹ء
REGD.NO.L.1922
R.NO.2196/57
ہفتہ وار

ہماری زبان

ایڈیٹر: آل احمد سرور

اس شمارے میں

ترقی اردو بورڈ ۔ پروفیسر آل احمد سرور ۱
لائبریریوں میں انتخاب کتب کا مسئلہ ۔ امام مرتضیٰ نقوی ۲
غزل ۔ اعجاز صدیقی ۳
مختصرات ۔ ۴
ہماری زبان میں رسائل کا تعارف ۔ شریف الحسن عثمانی ۴
نغمۂ ناشنیدہ ۔ اظہر سعید ۵
اردو زبان کے مسائل ۔ ۶-۷
مراسلات ۔ ۸
اخبار و افکار ۔ ۹-۱۰
تبصرہ ۔ ڈاکٹر شمیم حنفی ۱۲

آل احمد سرور

ترقی اردو بورڈ

حکومت ہند نے جو ترقی اردو بورڈ بنایا ہے اس کا اصل مقصد تو اردو میں جدید علوم کا سرمایہ فراہم کرنا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی ترقی کے لیے دوسرے اہم کاموں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ بورڈ کی پہلی نشست ۲۸ جولائی کو ہوئی تھی جس میں ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ وزیر تعلیم نے اس بات پر زور دیا کہ تمام ہندوستانی زبانوں میں جدید علوم خصوصاً سائنس اور ٹیکنالوجی کا سرمایہ بڑھنا چاہیے تاکہ ملک میں ایک سائنسی اور عقلی مزاج پیدا ہو سکے۔ بورڈ کے کاموں کے لیے اس منصوبے میں پچاس لاکھ روپیہ رکھے گئے ہیں اور اگلے منصوبے میں پچاس لاکھ اور دیے جائیں گے تاکہ کل ایک کروڑ کی رقم اردو پر صرف ہو سکے۔ فی الحال بورڈ چار کام کرے گا۔ اوّل بی۔ اے، بی۔ ایس سی، بی کام اور میڈیسن اور انجینیرنگ کی پہلی ڈگری کے لیے مناسب کتابیں تیار کرے گا۔ ان کتابوں میں مستند مغربی مصنفین کی خاص خاص کتابوں کے ترجمے بھی ہوں گے مگر زیادہ تر کتابیں ہندوستان کی ضروریات کے مطابق ماہرین سے لکھوائی جائیں گی۔ بورڈ نے تقریباً بیس علوم کے ماہرین کی کمیٹیاں بنا دی ہیں جو اپنے مضمون پر پندرہ سے بیس تک کتابوں کی تیاری کی سفارش کریں گی، لکھنے والوں کے نام تجویز کریں گی اور نظرثانی کرنے والوں کو نامزد کریں گی اور ان کے لیے مناسب معاوضے کی سفارش کریں گی۔ ان کمیٹیوں میں سے بیشتر کی نشست ہو چکی ہے۔ دوسرا کام سائنس کو مقبول بنانے کے لیے اس کے مختلف گوشوں پر عام فہم کتابیں تیار کرنا ہے۔ تیسرا کام لغات، حوالے کی کتابیں اور انسائیکلوپیڈیا تیار کرنا ہے، چوتھا بچوں کے لیے صحت مند ادب تیار کرنا ہے۔ وزیر تعلیم نے اس بات پر بھی زور دیا تھا کہ سب سے پہلے جدید علوم کے متعلق اردو میں جو سرمایہ ہے اس کا جائزہ لے کر ایک ببلیوگرافی تیار کر لی جائے جو چھ مہینے کے اندر ضرور شائع ہو جائے۔ اس کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ انھوں نے یہ بھی سفارش کی تھی کہ چونکہ جو کتابیں تیار ہوں گی وہ معیاری ہوں گی اور علاوہ طلبہ اور اساتذہ کی ضرورت پوری کرنے کے، عام پڑھنے والوں کے لیے بھی مفید ہوں گی، اس لیے ان کو ایک وسیع تر حلقے تک پہنچانے کے لیے، ان میں سے خاص خاص کتابیں دیوناگری میں بھی شائع کی جائیں۔ ظاہر ہے کہ ترقی اردو بورڈ کا اصل کام تو اردو جاننے والوں کے لیے اردو رسم خط میں کتابیں تیار کرنا ہے، مگر بہت سے لوگ خصوصاً اترپردیش کے وہ طلبہ جو ہندی پڑھتے آئے ہیں، گو اردو زبان جانتے ہیں، مگر دیوناگری رسم خط سے زیادہ مانوس ہیں، اس لیے اردو کی بعض کتابوں کا دیوناگری رسم خط میں بھی شائع کرنا کسی طرح قابل اعتراض نہیں کہا جا سکتا۔ پھر یہ کتابیں جتنے زیادہ بڑے حلقے میں پڑھی جائیں اور فروخت ہوں، اتنا ہی اور اردو میں کتابیں شائع کرنے میں مدد ملے گی۔ اگرچہ بورڈ نے ابھی اپنے کام کے لیے وہ چار عنوان طے کیے ہیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، مگر اس کے علاوہ میری سفارش پر یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ اردو ادب کی وہ بنیادی کتابیں جو عام طور پر بازار میں نہیں ملتیں اور جن کی یونیورسٹیوں میں ضرورت پڑتی ہے، ترقی اردو بورڈ خود شائع کرے یا ناشروں کو مناسب امداد دے کر ان سے شائع کرائے۔ چنانچہ فرہنگ آصفیہ جیسی لغات اور بعض شعرا کے کلیات جو اب بازار میں دستیاب نہیں ہوتے، بورڈ کی طرف سے شائع کرنے کی سفارش کر دی گئی ہے اور امید ہے کہ جلد اس کی منظوری مل جائے گی۔ ڈاکٹر راؤ نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اگرچہ جامعہ ملیہ کے علاوہ کسی یونیورسٹی میں اردو ذریعۂ تعلیم نہیں ہے، ہاں کچھ یونیورسٹیوں میں امتحانات کے جوابات اردو میں دیے جا سکتے ہیں، مگر ترقی اردو بورڈ اس کا انتظار نہیں کرے گا کہ جب کافی یونیورسٹیوں میں اردو ذریعۂ تعلیم ہو جائے تو وہ علمی کتابیں تیار کرے، بلکہ اس کام کا فوراً آغاز کر دے گا تاکہ یونیورسٹیوں کو اردو کے ذریعے سے تعلیم دینے میں آسانی ہو اور وہ مناسب کتابوں کے نہ ہونے کی شکایت نہ کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر راؤ کے اس فیصلے کا تمام اردو دوستوں کو خیر مقدم کرنا چاہیے۔

ترقی اردو بورڈ نے بہت بڑا کام اپنے ذمے لیا ہے۔ اس کام کو پورا کرنے

قیمت: سالانہ ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے
تاریخ اشاعت: ۱-۸-۱۵-۲۲

کے لئے ماہرین کی ایک بڑی جماعت کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ علمی مسائل میں اختلافات کی گنجائش ضرور رہتی ہے لیکن ماہرین کی رائے کو زیادہ اہمیت ہونی چاہئے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کچھ کاموں کو مقدم یا موخر کرنے پر بھی اختلاف ہو سکتا ہے مگر یہاں بھی ہمیں مجموعی رائے کا احترام کرنا پڑے گا۔ اردو کی ترقی صرف سرکاری ذرائع سے نہ ہوگی۔ اس کے لئے سرکاری اور غیر سرکاری تمام ذرائع کام میں لانے پڑیں گے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہوگا کہ ہم اپنا ذہن تعمیری بنائیں اور ہر سنجیدہ اور مفید کام میں جو مدد ممکن ہو اس سے دریغ نہ کریں۔ ہمیں ایک طرف اپنے ثانوی مدارس کے ارباب حل و عقد کو اس کے لئے آمادہ کرنا ہے کہ وہ اردو کے ذریعہ سے تعلیم دیں اور اگر وہ ایسا کر رہے ہیں تو اس کا معیار بڑھائیں، دوسری طرف ہمیں متعدد یونی ورسٹیوں میں یہ فضا پیدا کرنی ہے کہ وہ اردو کو بھی ذریعہ تعلیم بنائیں۔ اس سلسلے میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، دہلی یونیورسٹی، عثمانیہ یونیورسٹی، جموں و کشمیر یونی ورسٹی اور پٹنہ یونی ورسٹی کی طرف خاص طور سے ہماری نگاہ اٹھتی ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بھی ہمیں توقع ہے کہ وہ تمام مضامین میں ایم۔ اے تک اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لئے جلد سے جلد مناسب قدم اٹھائے گی کیونکہ بی۔ اے تک اردو میں تعلیم تو وہ شروع سے دیتی آئی ہے۔ اسے اب آگے بڑھنا ہے۔

اردو کی ترقی کے راستے میں ابھی بہت سی دشواریاں باقی ہیں، مگر کچھ دشواریاں دور بھی ہوئی ہیں اور ترقی کی کچھ راہیں کھلی بھی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اردو دوست اس تاریخی موڑ پر صرف فلک کج رفتار کے ماتم میں مصروف رہتے ہیں یا اردو زبان و ادب کی ترقی کے لئے مل کر تعمیری کاموں پر پوری توجہ کرنے کو آمادہ ہوتے ہیں۔

میر انیس کی صد سالہ برسی

لکھنؤ: میر انیس کی صد سالہ برسی دو برس بعد ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو یہاں مزار انیس واقع کوچہ میر انیس و چوک میں منائی جائے گی۔

یہ فیصلہ یادگار انیس کمیٹی (لکھنؤ) کے اس جلسہ میں کیا گیا جو کمیٹی کے دفتر ادبستان کتاب نگر (دین دیال روڈ) میں الحاج امین سلونوی کی صدارت میں کل سہ پہر کو ہوا۔

• قومی آواز

الہ آباد میں بین الاقوامی سنسکرت کانفرنس

لکھنؤ: الہ آباد میں آئندہ پانچ فروری سے ۷ر فروری تک ایک بین الاقوامی سنسکرت کانفرنس ہوگی جس میں اس بات پر غور کیا جائے گا کہ دوسرے ممالک میں اس زبان کو کیسے فروغ دیا جائے۔ توقع ہے کہ دو ہزار نمائندے دنیا کے مختلف ممالک سے اس میں شریک ہوں گے۔

اس کانفرنس کا بندوبست کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جس کے کنوینر الہ آباد ہائی کورٹ کے جج ایس۔ این۔ کاٹجو ہیں۔

(الجمعیۃ)

حکومت کی جانب سے ادبی ڈائجسٹ کی اشاعت

نئی دہلی: مرکزی وزارت اطلاعات و نشریات ایک ایسے ڈائجسٹ کی اشاعت کے بارے میں غور کر رہی ہے جس میں ہندوستان میں شائع ہونے والی سبھی زبانوں کے رسائل سے بہترین کہانیاں، مضامین اور فیچر منتخب کر کے شائع کئے جائیں۔ یہ اطلاع مرکزی وزیر مملکت برائے اطلاعات جناب آئی۔ کے۔ گجرال نے سوچنا اور پرسارن ہندی سمتی کے ایک جلسہ میں دی۔ ڈائجسٹ جو ایک آزاد ٹرسٹ کے زیر اہتمام نکالا جائے گا ہندی اور انگریزی میں شائع ہوگا۔ یہ ڈائجسٹ کامیاب ہوا تو دوسری زبانوں میں بھی شائع کیا جائے گا۔

• قومی آواز

پاکستان نے ہندوستان سے ہر شائع شدہ چیز آنے جانے پر پابندی لگا دی

نئی دہلی: اب اس خبر کی تصدیق پوری طرح ہو گئی ہے کہ حکومت پاکستان نے ہندوستان کی ہر شائع شدہ چیز (کتاب، رسالہ، اخبار وغیرہ) آنے اور جانے دونوں پر مکمل پابندی عائد کر دی ہے۔ پاکستان سے ہندوستان کے لئے جو کتابیں اور اخبارات بذریعہ ڈاک روانہ کئے گئے تھے ان کو ڈاک خانوں کا کسٹم کا شعبہ بھیجنے والوں کو واپس کر رہا ہے اور ہندوستان سے جو اخبارات، کتابیں اور رسائل وغیرہ پاکستان روانہ کئے گئے تھے ان کو کسٹم حکام نے روک لیا ہے۔ اگرچہ یہ پابندی تقریباً ۲ ماہ سے لگی ہوئی ہے لیکن پاکستانی کسٹم نے ابھی حال میں اقرار کیا ہے کہ اس کو اس قسم کی ہدایات سرکار سے ملی ہیں۔

ڈھاکہ اور کراچی سے شائع ہونے والے اخبار مارننگ نیوز کے ۲۲ر جولائی کے شمارے سے معلوم ہوا کہ کسٹم کے حکام نے پاکستان میں ان افراد اور اداروں کے نام جو ہندوستان سے مستقلاً رسائل وغیرہ منگاتے تھے سبب بتانے کے نوٹس جاری کر دئے ہیں۔ ان کو نوٹس یہ دیا گیا ہے کہ ان کے خلاف کسٹم اور زر مبادلہ کے ضوابط کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں مقدمہ کیوں نہ چلایا جائے۔ یہ نوٹس بہت سے پاکستانی اخبارات کو بھی دئے گئے ہیں جو تبادلہ میں ہندوستانی اخبارات منگاتے تھے۔ چونکہ ان کتابوں وغیرہ کی قیمت کی ادائی کے سلسلے میں کوئی سرکاری انتظام نہیں ہے اس لئے پاکستان کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں یقیناً بے قاعدگی برتی جا رہی ہے۔ مارننگ نیوز کا کہنا ہے کہ رسائل و کتب کی یہ آمد و رفت بہت بڑے پیمانے پر نہیں بلکہ تبادلہ پر ہوتی تھی۔ ہندوستان سے تمام شائع شدہ چیزوں پر اس پاکستانی پابندی کے خلاف پاکستان میں احتجاج ہوا ہے اور اس پالیسی کی نکتہ چینی کی گئی ہے۔ اہم اخبارات مثلاً "امروز" "نوائے وقت" میں متعدد خطوط شائع ہوئے ہیں جن میں یہ شکایت کی گئی ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور دارالمصنفین اعظم گڑھ جیسے ممتاز اداروں کی شائع کردہ دینی اور مذہبی کتب پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے اور جو کتابیں پاکستان روانہ کی گئی تھیں وہ ابھی نہیں پہنچی ہیں۔

دینی اور مذہبی کتب پر اس پابندی سے پاکستان میں علوم مذہبی کے طالب علموں کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے کیونکہ مذہبی علوم سے متعلق معیاری اور اہم کتابیں اردو میں ہندوستان ہی میں شائع ہو رہی ہیں۔ پاکستان میں مذہبی کتابیں شائع تو ہوتی ہیں لیکن وہ علمی معیار سے اتنی بلند نہیں ہیں جتنی کہ ہندوستان کے دیوبند، اعظم گڑھ، دائرۃ المعارف حیدرآباد اور دوسرے متعدد اداروں سے شائع ہونے والی کتابیں ہوتی ہیں۔

• قومی آواز

امام مرتضیٰ نقوی

لائبریریوں میں انتخاب کتب کا مسئلہ

کسی لائبریری کے لئے کتابوں کے انتخاب کا مسئلہ جتنا آسان ہے اتنا ہی پیچیدہ ہے۔ محض اندھا دھند کتابیں خریدنے سے لائبریری کے مقصد کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اگر ہم اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے بیٹھیں تو دو تین چیزیں ہمیں ذہن میں رکھنی ضروری ہیں۔

(۱) لائبریری کی نوعیت۔ یعنی پبلک لائبریری ہے، یا یونیورسٹی لائبریری ہے یا کسی خاص مضمون کے مطالعہ کے لئے بنائی گئی ہے۔

(۲) پڑھنے والے کون ہیں؟ اعلیٰ تعلیم یافتہ، بچے یا کم پڑھے لکھے لوگ۔

(۳) لائبریری کا فنڈ۔

یہی وہ تین نکات ہیں جن پر نگاہ رکھنی ضروری ہے۔ اگر ان چیزوں کو ملحوظ خاطر نہ رکھا گیا تو لائبریری کا ذخیرہ چاہے جتنا بھی ہو لیکن اس میں افادیت اور مقصدیت کے پہلو بہت کم نظر آئیں گے۔ لائبریری کوئی سی بھی ہو سب سے پہلے کتابوں کے انتخاب کے لئے ان کی ظاہری صورت کا اندازہ لگانا ہے یعنی کتاب کا کاغذ کیسا ہے، اس کی چھپائی کیسی ہے، اس کی جلد کیسی ہے، کیونکہ بعض کتابیں چھپائی میں اتنی ناقص ہوتی ہیں کہ پڑھنے والے کی طبیعت بجائے ان سے لطف اندوز ہونے کے اور مکدر ہو جاتی ہے۔ اگر کتاب مجلد نہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ کتاب کی افادیت کتنی ہے۔ ایسا تو نہیں کہ کتاب کی قیمت سے زیادہ جلد سازی پر روپیہ خرچ ہو جائے، یا اگر اسی کتاب کا دوسرا اور خوبصورت ایڈیشن مل سکتا ہو تو وہ کیوں نہ خرید لیا جائے۔

یہ تھی محض کتابوں کی ظاہری شکل و صورت کی بات، اب سب سے پہلے ہمیں لائبریری کی نوعیت دیکھنی ہے۔ کہ وہ کس قسم کی لائبریری ہے اگر وہ پبلک لائبریری ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس سے استفادہ کرنے والے زیادہ تر عوام ہی ہیں، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ عوام کس قسم کے ہیں سرمایہ دار ہیں یا مزدور، دہقان، زمیندارانہ مزاج کے حامل ہیں یا ملوں اور مشینوں سے نکل کر اپنے جسم اور اپنی روح کو ستانے والے انسان۔ پھر ان سب کے مزاج کا ہمیں اندازہ لگانا ہے۔ پہلے یہ دیکھنا ہے کہ پڑھنے والوں کی اکثریت کونسی ہے۔ اس کے بعد ان کے رجحان کا پتہ لگانا ہے۔ اگر لائبریری میں آنے والے ایسے لوگ ہیں جو صنعتی کاروبار سے وابستہ ہوں تو یقیناً وہ ایسا لٹریچر پسند کریں گے جس کو پڑھ کر وہ اپنی تھکن دور کر سکیں۔ جس کو وہ اپنے لنچ ٹائم میں بھی پڑھ کر تازہ دم ہو سکیں لیکن اس کا مقصد یہ نہیں کہ ہمیں محض ہلکا پھلکا ہی لٹریچر رکھنا ہوگا۔ بلکہ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہم اس تخلیقی طبقہ کا بھی خیال رکھیں جو اس شہر میں رہتا ہے۔ چاہے اس کا موضوع فلسفہ ہو یا مذہب، سائنس ہو یا تاریخ۔ ہمیں ان چیزوں کو یکسر نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے۔ بلکہ ہر مکتبۂ فکر کے لئے کتابوں کا انتخاب ہونا چاہئے۔ پبلک لائبریری کے لئے ایک خاص بات یہ بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ اس میں کوئی کتاب ایسی نہ ہو جو دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث ہو۔ مذہبی کتابیں رکھنا اچھا ہے، لیکن ایسی مذہبی کتابیں جو دوسروں کے جذبات کو مجروح کرتی ہوں بالکل مناسب نہیں۔ یونیورسٹی لائبریری یونیورسٹی کے طلبہ اور اساتذہ کے لئے بنائی جاتی ہے۔ اس میں زیادہ تر وہی معیاری کتابیں ہونی چاہئیں جو طلبہ کے لئے ممد و معاون ثابت ہو سکیں۔ یونیورسٹی میں ہر چیز پڑھائی جاتی ہے۔ ادب بھی ہے، منطق بھی ہے، لسانیات بھی ہے اور سائنس بھی۔ اس لئے ہر موضوع پر معیاری کتابیں رکھنا ضروری ہے۔ لائبریرین کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر کتاب کی اہمیت سے واقف ہو سکے اس لئے یہ کام یونیورسٹی کے اساتذہ کا ہے، کہ وہ اس کی رہنمائی کریں اور اچھی کتابیں لائبریری کے لئے خریدیں۔

اعجاز صدیقی

غزل

اب کیوں ہو چپ نقوشِ باطل بنانے والو؟
لا حاصل کو اپنا حاصل بنانے والو!

آسانیوں کے امکاں مفقود تو نہیں ہیں!
مشکل کو اور بھی کچھ مشکل بنانے والو!

رہ رہ کے اہل محفل اٹھتے ہی جا رہے ہیں!
محفل اُجڑ نہ جائے، محفل بنانے والو!

تخلیق ایک کربِ احساس چاہتی ہے
دل یوں نہ بن سکیں گے اے دل بنانے والو!

قدموں کی جنبشوں پر ڈالیں کبھی نگاہیں؟
ہر گام اک فریبِ منزل بنانے والو!

پہلے سے کیوں نہ کر لو اندازۂ تموّج
موجوں کی یورشوں میں ساحل بنانے والو

محرومیِ سماعت ہے مرگِ بے نوائی!
آوازۂ جہاں سے غافل بنانے والو!

تاریخ کہہ رہی ہے، تم خود ہو اس کے مجرم
قانونِ فردِ حق و باطل بنانے والو!

بے رہنما مسافر ان سے بھٹک نہ جائیں؟
راہوں میں اے نشانِ منزل بنانے والو!

یہ جلوہ زار ہستی کچھ اور چاہتی ہے؟
اے پردۂ نظر کو حائل بنانے والو!

پہلے یہ دھندلی دھندلی شمعیں تو سب بجھا دو!
نظروں کو روشنی کے قابل بنانے والو!

اعجاز پر تمہارا جادو نہ چل سکے گا!
شاعر کو ہم مزاجِ سائل بنانے والو!

بیتی اپستان (دور آخرت ملتہ)

لہ اس دور کے بعض شعراء نے شرمناک حد تک دریوزہ گری اختیار کر رکھی ہے

وہ لائبریریاں جو صرف ایک ہی فن کی کتابوں پر مشتمل ہوتی ہیں ان میں پڑھنے والے بھی صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو اس فن میں تکمیل حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ ایسی بہت سی لائبریریاں ملیں گی جو ایک ہی فن پر بنائی جاتی ہیں جیسے میڈیکل لائبریری، انجینئرنگ کی لائبریری، اسلامیات کی لائبریری، علوم شرقیات کی لائبریری وغیرہ۔ یہ وہ لائبریریاں ہیں جو ایک ہی فن پر کتابیں خریدتی ہیں جن کا مقصد اپنے موضوع کو ہی وسیع سے وسیع تر بنانا ہے۔ یہاں بھی کتابوں کا انتخاب ان لوگوں کے ذریعے ہونا چاہئے جو اس فن پر تحقیق کا درجہ رکھتے ہوں۔ بعض کتابیں بڑی قیمتی ہوتی ہیں اور بڑی جاذب نظر بھی لیکن ان میں مواد اتنا کارآمد نہیں ہوتا جو ایک محقق کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے ایسی کتابوں کا خریدنا محض روپیہ کو ضائع کرنا ہے۔ پھر ایک خاص بات یہ بھی دیکھنی ہے کہ اس مضمون یا اس فن سے متعلق یا مماثل جو مضامین ہیں ان کی اچھی کتابوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً سیاسیات کے ساتھ تاریخ کا بہت گہرا تعلق ہے۔ اس لئے تاریخ کی کتابیں بھی ہمیں خریدنی ہیں اسی طرح ادب کی لائبریری میں اس کی ہم عصر تاریخ کو ہم نظر انداز کر کے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ان سب چیزوں کا ایک دوسرے سے بہت گہرا تعلق ہے چنانچہ اس قسم کی لائبریریوں میں کتابوں کے انتخاب کا مسئلہ بڑا اہم اور سنجیدہ ہے۔

سب سے آخر میں لائبریری کے فنڈ کا مسئلہ ہے، اسی پر کتابوں کی خریداری کا انحصار ہے۔ فنڈ کو دیکھ کر ہی خریداری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ایسا بھی نہ ہونا چاہئے کہ شروع سال میں اچھی طرح کتابیں خرید لی جائیں چاہے وہ کیسی ہی ہوں اور جب فنڈ ختم ہو گیا اور اچھی کتابیں بازار میں آئیں تو پیسوں کی کمی کی وجہ سے ان کتابوں سے محروم ہونا پڑے اس لئے کتابوں کی خریداری کی رفتار میں یکسانیت ہونا ضروری ہے۔ پورے سال میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کتابیں خریدنی چاہئیں۔

یہ ہیں وہ چند نکات جو کتابوں کے انتخاب کے لئے ضروری ہیں۔ بغیر ان پر عمل کئے اچھی لائبریری کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

مختصرات

- ایک اطلاع کے مطابق محمد حسین انٹر کالج، جونپور کی مجلس عاملہ نے سال رواں سے اردو کو بھی ذریعہ تعلیم کا درجہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔
- آندھرا پردیش اسمبلی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ حکومت آندھرا پردیش نے ریاستوں میں لسانی اقلیتوں کو ان کی زبان میں تعلیمی سہولتیں بہم پہونچانے کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے لسانی اقلیتوں کو اس نوع کی تمام سہولتیں مہیا کرنے کے فیصلے پر عمل شروع کر دیا ہے۔
- پنجاب کے کالجوں اور اسکولوں میں پڑھی جانے والی پنجابی کی درسی کتابیں خود اساتذہ لکھیں گے۔ اس سلسلے میں اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ کی مضمون وار جماعتیں قائم کی جا رہی ہیں۔ یہ جماعتیں اپنے اپنے مضمون کی درسی کتابیں تیار کریں گی۔
- آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی کی جانب سے سعادت نظیر کی کتاب "اس کو غزل کہتے ہیں" شائع ہو گئی۔ یہ کتاب سات روپے میں آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی حیدر آباد سے حاصل کی جا سکتی ہے۔
- اختر الایمان کا نیا مجموعہ کلام "بنت لمحات" اور ڈاکٹر جعفر رضا کی کتاب "پریم چند، کہانی کا رہنما" شائع ہو گئی ہیں۔
- شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جانب سے پچھلے سال جدیدیت سے متعلق سیمینار میں جو مضامین پڑھے گئے تھے وہ کتابی صورت میں مرتب کئے گئے ہیں اور طباعت کی آخری منزلوں میں ہیں۔
- شمس الرحمٰن فاروقی کا مجموعہ کلام "گنج سوختہ" اور شہریار کا مجموعہ "ساتواں در" عنقریب شائع ہونے والے ہیں۔
- شعبۂ اردو آنجہانی بے بہادر سنگھ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ان کے گاؤں سورج پور میں ایک میلہ لگا۔ ان کی مورتی کو ہار پہنائے گئے اور ان کی زندگی اور کارناموں پر متعدد حضرات نے تقریریں کیں۔

ہماری زبان میں رسائل کا تعارف (اکتوبر ۱۹۶۶ء تا دسمبر ۱۹۶۷ء)

۱۔ مطبوعات، ماہنامہ لکھنؤ۔ عابد رضا بیدار } یکم اکتوبر ۱۹۶۶ء
۲۔ ماہ نیمروز، سہ روزہ علی گڑھ ،،

۳۔ المطبوعات، ماہنامہ جے پور۔ ۴۔ الکمال، ماہنامہ جے پور
۵۔ قوم چندرہ، روزنامہ جے پور } نفیس سندیلوی۔ ۸ر نومبر ۱۹۶۶ء

۶۔ منظر السرور، بھرت پور، ۷۔ کلام اردو۔ سید فضل المتین، ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۶ء

۸۔ اخبار بجنور، ہفتہ وار، بجنور۔ محمد انصار اللہ۔ ۸ر مارچ ۱۹۶۷ء

۹۔ انتخاب، ماہنامہ، لاہور۔ نادم سیتاپوری۔ ۸ر مئی ۱۹۶۷ء

۱۰۔ حسن، ماہنامہ۔ حیدر آباد۔ حافظ عاشق ہرگانوی۔ یکم جون ۱۹۶۷ء

۱۱۔ انتخاب، ماہنامہ، لاہور۔ رئیس مینائی بنگلوری۔ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۶۷ء

۱۲۔ تنویر المشرق، ماہنامہ، کلکتہ۔ یوسف تقی۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۶۷ء

۱۳۔ ادیب، ماہنامہ، فیروز آباد۔ حافظ عاشق ہرگانوی ۲۲ر مارچ ۱۹۶۷ء

۱۴۔ آگ، ماہنامہ، اجمیر۔ سید فضل المتین۔ ۱۵ر جون ۱۹۶۷ء

۱۵۔ بہار بے خزاں، ماہنامہ، بریلی
۱۶۔ روز افزاں، ماہنامہ، بریلی
۱۷۔ مسیحا، ماہنامہ، امرتسر } مرتضیٰ علی قادری ایم۔ اے یکم نومبر ۱۹۶۶ء

۱۸۔ انڈین ڈائرز جرنل اردو۔ احسان اللہ۔ ۸ر جنوری ۱۹۶۷ء

۱۹۔ رنگ و نور، ماہنامہ، کلکتہ۔ شریف الحسن لاہرپوری۔ ۸ر جولائی ۱۹۶۷ء

۲۰۔ ادیب، ماہنامہ، حیدر آباد
۲۱۔ حسن، ماہنامہ، حیدر آباد } طیب انصاری۔ ۱۵ر ستمبر ۱۹۶۷ء

۲۲۔ گئو رکشا، ہفتہ وار، میرٹھ۔ نادم سیتاپوری ۱۰ر اکتوبر ۱۹۶۷ء

۲۳۔ معلم السنوال، ماہنامہ، حیدر آباد
۲۴۔ افسر، ماہنامہ، حیدر آباد } طیب انصاری، یکم نومبر ۱۹۶۷ء

۲۵۔ مصباح، روزنامہ، دہلی۔ محمد علی کاظمی۔ ۱۵ر نومبر ۱۹۶۷ء

۲۶۔ نقش معرفت، گورکھپور۔ شریف الحسن لاہرپوری، ۲۲ر نومبر ۱۹۶۷ء
(شریف الحسن عثمانی)

مظہر سعید

نغمۂ ناشنیدہ

کون آیا یہ دبے پاؤں یہ آہٹ کیسی
کس کے ہاتھوں نے مرے جسم کو گرمی بخشی
کس کی سانسوں سے مہکنے لگیں گلیاں میری
میری ویرانی و خاموشی و تنہائی کا
کون دمساز ہوا
محرم و ہمراز ہوا
کس کے جلووں نے مری بزم کو آباد کیا
میں تو سمجھا تھا کہ بس گردشِ پیہم ہے مقدر میرا
ایسی گردش کہ نہیں کوئی بھی حاصل جس کا
میں تو سمجھا تھا کہ میں
بے کراں تیرہ و پرہول خلاؤں میں اسیر
ایسی کشتی ہوں نہیں ہے کوئی ساحل جس کا
اَن گنت صدیوں سے مصروفِ سفر ہوں لیکن
اپنی منزل کا پتہ خود مجھے معلوم نہ تھا
آج تم آئے تو محسوس ہوا ہے جیسے
میرا ہونا کوئی بے کار نہیں
آج تم آئے تو محسوس ہوا ہے جیسے
زندگی دوڑ گئی قالبِ بے جاں میں مرے
آشنا ہاتھ ہیں
مانوس و شناسا چہرہ
آنے والو تمہیں پہچان لیا ہے میں نے
اپنے خوابوں میں سو بار ہمک کر تم نے
ہاتھ پھیلائے ہیں میری جانب
میں نے ہر رنگ میں ہر حال میں دیکھا ہے تمہیں
کارزاروں میں کبھی
رزم گاہوں میں کبھی
بزمِ عشرت میں کبھی
کبھی شمشیر بدست
کبھی پیمانہ بکف
کبھی ہنستے کبھی روتے کبھی آہیں بھرتے
کبھی سرگرمِ سفر اور کبھی منزل بہ کنار
پیار کرتے ہوئے گاتے ہوئے دیکھا ہے تمہیں
آرزوؤں کے حسیں خواب سجاتے ہوئے دیکھا ہے تمہیں
تم کوئی غیر نہیں
اجنبیت کا یہ احساس ہے کیوں

مجھ سے اس طرح گریزاں کیوں ہو
میرے نزدیک تو آؤ ذرا تم
پاس سے اور ذرا پاس سے میں دیکھ سکوں
آؤ میں چوم لوں ان ہاتھوں کو جن ہاتھوں میں
میں نے مستقبلِ دوراں کی عناں دیکھی ہے
آؤ میں چوم لوں ان آنکھوں کو جن آنکھوں میں
آرزوؤں کے جہاں تم نے بسا رکھے ہیں
خواب امید اور مسرت کے سجا رکھے ہیں
پر یہ کیا بات ہوئی
ابھی جی بھر کے ٹھہری کیا
تم نے تو آتے ہی پھر رختِ سفر باندھ لیا
کیا فقط ایک ہی دن کے لئے جاگا تھا مقدر میرا
ایک ہی دن کو ملی تھی مجھے جینے کی ادا
میں تو سمجھا تھا کہ جاگ اٹھی ہے دنیا میری
زندگی رقص کرے گی مرے کاشانے میں
میری محفل میں بھی چھلکیں گے مئے سرخ کے جام
سبزہ و برگ کے گل کھلیں گے
تیرہ و تار گھروں میں چراغاں ہوگا
میں یہ سمجھا تھا مرے ناز کے دن آئے ہیں
رقص کے ساز کے آواز کے دن آئے ہیں
پر یہ کیا بات ہوئی
ابھی دم بھی نہ لیا تھا ابھی بیٹھے بھی نہ تھے
ابھی دامن نہ سنبھالا تھا کہ پھر
رختِ سفر باندھ لیا
پھر وہی میں وہی ویرانی
وہی خاموشی و تنہائی
آنے والو تمہیں جاتے ہوئے کیا نذر کروں
بھیک میں پائے ہوئے نور کی سوغات ہی کیا
یہ مرے جسم کے ٹکڑے مرے دل کے ذرے
یہی سرمایہ ہیں میرا
یہ مرے اپنے ہیں
یہی ٹکڑے یہی ذرے میں تمہیں نذر کئے دیتا ہوں
یہی تحفہ ہے مرا
ارضِ مقدس کے لئے

▲

اردو زبان کے مسائل

اردو ذریعۂ تعلیم اور محکمۂ تعلیم کے ضلعی عہدیدار

مختلف مقامات سے اطلاعات آرہی ہیں کہ اردو میڈیم کے سلسلہ میں بہت سے ڈسٹرکٹ انسپکٹرس آف اسکولس اور ان کے ماتحتین رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پورے مسئلہ کی وضاحت کر دی جائے۔

ثانوی درجات میں مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے سلسلہ میں وزراء تعلیم کانفرنس منعقدہ دہلی اگست ۱۹۴۹ء میں متفقہ طور پر حسب ذیل فارمولہ طے ہوا تھا۔

ثانوی درجہ پر ایسے طلبہ کی تعداد جن کی مادری زبان علاقائی یا سرکاری زبان کے علاوہ ہے اتنی کافی ہے کہ اس حلقے میں علیحدہ اسکول قائم کیا جا سکے تو قائم کیا جائے بجائے ایسے اسکولوں میں ذریعۂ تعلیم طلبہ کی مادری زبان ہوگی۔ اگر ایسے اسکول پرائیویٹ طور پر قائم کئے گئے ہوں تو وہ رکگنائز کئے جائیں اور وہ امدادی گرانٹ پانے کے مستحق ہوں گے۔ حکومت اس قسم کی سہولتیں تمام گورنمنٹ، میونسپل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے اسکولوں کو فراہم کرسکتی ہیں کہ جہاں طلبہ کی تعداد اپنی مادری زبان کے ذریعۂ تعلیم حاصل کرنے کی درخواست کرے۔ گورنمنٹ امدادی اسکولوں کو ضرورت ہوگی کہ تمام ایسے اسکول جن کے طلبہ کی ۱/۳ تعداد اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے درخواست دے۔ ان طلبہ کے لئے ان کی مادری زبان کے ذریعۂ تعلیم دینے کا بندوبست کریں۔ اگر اس ضلع میں اس قسم کا بندوبست آسان ہے۔ مندرجہ بالا انتظامات خصوصیت سے بڑے شہروں میں نیز ایسے مقامات میں جہاں مختلف زبانوں کے بولنے والے لوگ آباد ہیں یا آبادی میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے ضروری ہیں۔

مندرجہ بالا کانفرنس میں یوپی کے وزیر تعلیم بھی شریک تھے۔ یوپی گورنمنٹ نے مندرجہ بالا تدریس کو تسلیم کر لیا تھا مگر حسب روایتی تغافل عمل نہ ہو سکا۔ اس پر عمل درآمد کا سوال ہی کیا؟ محکمۂ تعلیم کے ذمہ داروں نے تو حکم ہی کو چھپائے رکھا۔ اس کی اشاعت ابھی تک نہیں کی جب مسز اندرا گاندھی جون ۱۹۶۹ء میں یوپی آئی تھیں لکھنؤ تشریف لائی تھیں اور انجمن ترقی اردو کا ایک وفد موصوفہ سے ملا تب تو موصوفہ نے انکشاف کیا کہ اتر پردیش کے ہی اسکولوں میں اردو میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد ۱/۳ ہوگی وہاں اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے احکامات جاری کر دئے گئے ہیں۔

ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولس اردو والے احکام پر عمل درآمد کرنے کے سلسلہ میں ٹال مٹول کرنے کے عادی ہوچکے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۶۸ء میں چند ڈسٹرکٹ انسپکٹروں نے ایک عرصے اس حکم کو چھپائے رکھا اور پوری طرح اسے مشتہر نہیں کیا۔ اخبارات میں اس سلسلہ میں کافی مضامین لکھے گئے۔ دینی تعلیمی کونسل کی طرف سے ایک شکایت مورخہ ۲ جون ۱۹۶۹ء بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ ایڈیشنل ڈائرکٹر محکمہ تعلیمات یوپی اور گورنمنٹ یوپی کو بھیجی گئی کہ مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے سلسلہ میں ایڈیشنل ڈائرکٹر صاحب کا سرکلر پوری طرح مشتہر نہیں کیا گیا ہے۔ خبریں سننے میں آرہی ہیں کہ بعض جگہ کے ڈسٹرکٹ انسپکٹرس آف اسکولس اردو میڈیم اختیار کرنے والے اسکولوں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ صورت حال انتہائی تکلیف دہ اور ناقابل برداشت ہے۔

ہم ڈائرکٹر آف ایجوکیشن یوپی، وزیر تعلیمات اور وزیر اعلیٰ یوپی سے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر حکومت مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے اصول کو سنجیدگی سے تسلیم کر چکی ہے جیسا کہ اس کے اعلانات سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر اس پر عمل درآمد کے لئے ضروری اقدام یعنی درسی کتب اور مدرسین کی تیاری اور محکمۂ تعلیم کے ضلعی افسروں کے طرز عمل کی نگرانی ضروری ہے۔

● ظفر احمد صدیقی وکیل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل یوپی

سیاست

اردو ذریعۂ تعلیم اور ہماری دشواریاں

جناب ظفر احمد صدیقی صاحب کا ایک مراسلہ اخبار سیاست جدید مورخہ ۲۲ جون ۱۹۶۹ء میں اس مضمون کا شائع ہوا ہے کہ حکومت ہند نے جو فیصلہ اگست ۱۹۴۹ء میں کیا تھا اس کا نفاذ اب تک نہیں ہوا ہے لہٰذا اس کو دوبارہ محکمۂ تعلیم نے جاری کر دیا ہے کہ جس اسکول میں ثانوی اسٹیج پر اردو پڑھنے والے بچوں کی تعداد ۱/۳ ہو ان کی تعلیم ذریعہ اردو ہوگی۔

ہماری زبان مورخہ ۱۵ جون ۱۹۶۹ء و یکم جولائی ۱۹۶۹ء و ۸ جولائی ۱۹۶۹ء و ۱۵ جولائی ۱۹۶۹ء میں بھی اس سرکلر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ریاستی انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری جناب راحت علی خاں صاحب نے بھی اپنی مختلف ملاقاتوں میں اس سرکلر کا تذکرہ کیا ہے اور ایک گشتی سرکلر بھی تمام شاخوں کے نام جاری کیا ہے کہ شاخیں اس سرکلر کے مطابق عمل کرانے کی کوشش کریں۔ پرائمری درجات میں اگر پورے اسکول میں ۴۰ یا ایک درجہ میں ۱۰ لڑکے اردو مادری زبان کے ہوں تو اردو تعلیم دی جاوے اس کے لئے بھی جدوجہد کریں۔

سوال یہ ہے کہ پہلے ہی اور اب تک عمل نہیں ہوا اب ۲۰ برس بعد پھر صرف جاری کر دینے سے کیا فائدہ ہوگا۔ جب تک ان شکایتوں و مشکلات کا ازالہ نہ ہو جو اردو کے عملی جامہ پہنانے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں بچوں کو پڑھاوے گا کون جب اردو جاننے والے استاد ہی نہ ہوں۔ ۲۰ برس کے اندر اردو جاننے والے ٹیچروں کی بے حد کمی ہوگئی ہے۔ خلاف جی۔ او [illegible] مورخہ [illegible] بہت سے کالجوں سے اردو فارسی جاننے والے استاد ہٹا دئے گئے ہیں کچھ ہیں بھی ان سے دوسرا کام لیا جا رہا ہے جو اردو استاد ریٹائر ہوئے ان کی جگہ رکھنے کا سوال نہیں۔ ثانوی درجات میں ذریعۂ تعلیم اردو کے لئے ضروری ہے کہ پرائمری جماعات میں بھی ذریعۂ تعلیم اردو ہو۔ ثانوی درجات میں کتابیں و استاد ہوں۔ اساتذہ اور ادارے ہر وہ طریقہ استعمال کرتے ہیں کہ اردو نہ پڑھائی جائے۔ عمل درآمد کرنے والوں کو کوئی خوف نہیں ہے نہ ان سے بازپرس ہوتی ہے۔ نہ ان کی تنبیہ ہوتی ہے شکایت کی جاوے تو کوئی سنتا نہیں۔ درخواست دی جاوے تو اولاً کوئی جواب نہیں آتا۔ اگر کچھ کا آتا ہے تو اتنے دنوں کے بعد کہ شکایت کا مطلب فوت ہو جاتا ہے۔

۱۔ میں نے سب سے پہلے ایس۔ ڈی۔ آئی۔ کو وضاحت و دیگر مراعات حاصل شدہ اور حالات جو لکھ بھیجے تھے۔ علاوہ سیاست جدید کے ہماری زبان مورخہ یکم ستمبر ۱۹۶۹ء و ۸ ستمبر ۱۹۶۹ء میں کئی صفحات میں شائع ہو چکے ہیں مگر افسوس کچھ لوگ ابھی تک ۴۰-۱۰ کی لکیر پیٹ رہے ہیں یہ کسی جی۔ او میں نہیں ہے کہ ۴۰-۱۰ بچے ہوں تو اردو پڑھائی جاوے ۳۹-۹ ہوں تو نہ پڑھائی جاوے اردو، تو ہر بچہ کو پڑھائی جاوے گی جس کی مادری زبان اردو ہے البتہ ۴۰-۱۰ لڑکے ہوں گے تو اردو پڑھانے کے لئے

الگ سے ایک استاد پرائمری اسکول میں مقرر ہوگا ۴۰ بچوں پر ایک استاد مقرر ہوتا ہے لیکن اگر ۱۰ بچے ایک درجہ میں ہوں گے تو لازمی طور سے دیگر درجات میں کچھ لڑکے اردو کے ہوں گے اس لئے ان کے لئے بھی ایک استاد مقرر کرنے کا حکم ہے عام طور سے ایک درجہ ایک ماسٹر کو دیا جاتا ہے جس میں اردو، ہندی دونوں قسم کے بچے ہوتے ہیں لہٰذا ماسٹر لوگ اردو کی طرف توجہ نہیں کرتے ۲۰ لاکھ سے زائد دستخطوں کا محضر پیش کرنے کے بعد مرکزی گورنمنٹ نے ۱۹۵۸ء میں یہ اعلان کیا کہ ہر بچہ کو جس کی مادری زبان اردو ہے اردو پڑھائی جائے (ایسا جواب گورنمنٹ یو پی کا بذریعہ کمشنر لسانی اقلیت ہم لوگوں کو بذریعہ خط نمبری ۲۲ ۱۳/۲۳/۶/۱۲ مورخہ ۲۲ اپریل موصول ہو چکا ہے ۴۰ - ۱۰ کی قید ضروری نہیں ہے)

۲- یہ بھی اعلان مرکزی و اسٹیٹ گورنمنٹ کا ہے کہ اردو کی ٹریننگ دی جاوے۔

۳- اردو کی کتابیں مہیا کی جاویں۔

۴- ثانوی درجات میں اردو کی تعلیم ہو۔

۵- اردو لکھے کاغذات ہر عدالت و دفاتر میں داخل ہوں۔

۶- اردو دستاویزات کی رجسٹری کا حکم جولائی ۱۹۶۹ء میں ہو چکا ہے بنارس میں اردو لکھی دستاویزات کی رجسٹری ۱۹۶۹ء سے ہو رہی ہے۔

۷- یہاں تک حکم ہو چکا ہے کہ ہر محکمہ ہر ملازمت کا ہر سال کے ۱۵ مارچ تک سکریٹریٹ کے ہوم کی کھا (APPOINT MENT KHA) ڈیپارٹمنٹ کو رپورٹ بھیجے کہ ملازمت میں کتنے مسلمان و کتنے دوسرے اقلیتی فرقے کے آدمی ملازم رکھے گئے ہیں پہلی رپورٹ ۱۵ مارچ ۱۹۷۲ء کو دی گئی تھی۔ کیا اس پر عمل ہو رہا ہے۔

۸- جس ضلع میونسپلٹی تحصیل و تعلقہ کے اردو بولنے والوں کی آبادی ۱۵ فیصدی یا اوپر ہو وہاں ووٹر لسٹ وغیرہ اردو میں چھاپی جاوے خود ہی محکمہ والوں نے ایسا نہیں کیا۔ ہم لوگوں نے سات برس تک خط کتابت جاری رکھی۔ آخر ۱۹۷۴ء میں یو پی گورنمنٹ کا حکم ہوا کہ ووٹر لسٹ ضلع و ضلع کی سطح کے نیچے اردو میں چھاپی جائے تو میونسپلٹی چھوڑ دی گئی۔ اس کا رخ تحصیل کی طرف پھیر دیا گیا۔ کچھ تحصیلوں میں اردو میں لسٹ چھپنے کا حکم ہوا۔ بنارس میونسپلٹی میں اردو میں لسٹ نہیں چھپی حالانکہ بنارس شہر کی اردو آبادی ۲۱ فیصدی ہے ۱۹۶۱ء کی مردم شماری سے ایسے مقامات یو پی میں ۳۲ اضلاع میں ہیں۔ اس حکم کا مکمل نفاذ نہیں ہوا۔ ۱۵ فیصدی کی اہمیت ہے مگر ۱۹۷۱ء کی مردم شماری سے ۵ سال ہوئے اب تک BREAK UP FIGURE تیار نہیں ہوا تاکہ مزید مقامات کو یہ مراعات حاصل ہوں کیونکہ یو پی میں ۱۹۶۱ء میں اردو آبادی کچھ اعشاریہ ۱۰ ہو گئی ہے جب کہ ۱۹۵۱ء میں کچھ اعشاریہ ۶ تھی ۱۹۷۱ء کی مردم شماری سے اب تک کام ہو رہا ہے۔

لہٰذا اس سرکلر کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اردو داں استادوں کا انتخاب ہو ان کا کوٹہ مقرر ہو۔ کتابیں ہر مضمون کی اردو میں جلد از جلد تیار ہوں۔ ہر اسکول میں اردو ٹیچر مقرر ہوں۔ تعداد کی قید غیر ضروری سمجھی جاوے۔ کیونکہ یہ سرکلر جاری ہو چکا ہے کہ ثانوی اسٹیج و ہائر سکنڈری اسٹیج میں اگر ۵ سے کم لڑکے ہوں تب بھی اردو پڑھانے کا انتظام کیا جاوے۔

دکل یا ٹمیر میں ۱۹۶۹ء کے پہلے کی طرح دونوں زبان پاس کئے ہوئے امیدواروں کا انتخاب ہو اور موجودہ اسٹاف کو اگر وہ اردو نہیں جانتا تو اردو کا امتحان کم سے کم جونیئر ہائی اسکول تک پاس کرنے کا حکم دیا جاوے ۱۹۶۹ء کے بعد ہر چھٹویں ماہ گورنمنٹ رپورٹ مانگتی تھی کہ ملازموں نے ہندی سیکھی یا نہیں اسی طرح اردو کی معلومات ہونے کے لئے بھی دریافت کیا جاوے تاکہ اردو لکھے کاغذات کے داخلے میں آسانی ہو اور اردو کاغذات کی ہندی نقل دینے کی زحمت و خرچہ و پریشانی نہ ہو۔ ملازمت کے امتحانات میں اردو میں جوابات دینے کی اجازت ہو تاکہ بچوں کو اردو پڑھنے کا شوق ہو۔ ہر جونیئر اسکول و کالج میں کم سے کم ایک اردو داں ٹیچر رکھا جاوے تاکہ ہر بچہ جو اردو کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنا چاہے تعلیم حاصل کر سکے اور گورنمنٹ کے احکام کی تعمیل ہو۔

● وآنا رسول دسکرٹری، انجمن ترقی اردو بنارس

(سیاست)

اردو کی ترقی اور اتر پردیش

اتر پردیش کی سرکار اردو داں پبلک کے شکریہ کی مستحق ہے کہ اس نے ۷۷-۱۹۷۶ء کے بجٹ میں ۱۰ لاکھ کی رقم اس غرض سے رکھی ہے کہ اس کو اردو کی ترقی پر خرچ کیا جائے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اسکیم کی تفصیلات کیا ہیں۔

میری رائے میں اس رقم کا بہترین استعمال اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ اس کو کتب خانوں کے لئے مفید اور اہم کتابوں کی خریداری پر صرف کیا جائے اس غرض کی تکمیل کے لئے اردو سے ہمدردی اور محبت رکھنے والے سرکاری اور غیر سرکاری ممبروں کی جن میں ممبران قانون ساز بھی شامل ہوں ایک چھوٹی سی کمیٹی بننی چاہیے جس کا نام اسٹیٹ خریداری کمیٹی ہو۔ یہ کمیٹی کتابوں پر نظر ثانی کرنے کے لئے ایک پینل بنائے جس میں مختلف یونیورسٹیوں اور کالجوں کے استاد شامل ہوں۔ جو کتابیں ریویو کے لئے آئیں اسی پینل کے ممبران کے سپرد کر دی جائیں جب اس پینل کی سفارشات آجائیں تو ان کی روشنی میں کتابیں ایک منظور شدہ کتابوں کی فہرست میں چڑھائی جائیں اسٹیٹ کمیٹی اس فہرست میں سے کتابیں خریدے اور صوبہ کے کتب خانوں کو حسب ضرورت تقسیم کر دے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے ایک تو یہ کہ غیر معیاری کتابوں کی اشاعت رک جائے گی اور دوسرا یہ کہ موزوں لٹریچر جو آج کمیاب ہوتا جا رہا ہے کتب خانوں کو دستیاب ہو سکے گا۔ اس سے اچھی اور معیاری کتابوں کی اشاعت میں بھی ہمت افزائی ہوگی۔

● سلطان احمد خاں۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل　　(سیاست)

(باقی صفحہ ۲ سے آگے) اگر آپ میری باتوں کو توجہ کے لائق سمجھیں تو میں شکریہ ادا کروں گا۔ ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں غالب صدی تقریبات کی کامیابی کا کریڈٹ تو آپ ہی کو ہے۔ وہ ہیں نہیں کہ صد سالہ برسی کی تقریبات کے سلسلے میں ابھی آمادہ و خود فکر شروع کر دیں۔ اتنے بڑے کام کے لئے پانچ سال کا عرصہ کچھ زیادہ نہیں۔ ہم دونوں اردو سے محبت کرتے ہیں۔ آپ ایک ماہر ادب کی حیثیت سے اور میں ایک عاشق کی حیثیت سے۔ یہ کام جاری مجوبہ زبان کی طرف لوگوں کے ذوق و شوق میں یقیناً اضافہ کرے گا اور اس کی مزید مقبولیت و اشاعت کا سبب بنے گا۔ اخیر میں یہ عرض کرنا شاید نامناسب نہ ہوگا کہ گو میں ایک شیعہ خاندان میں پیدا ہوا تھا لیکن عقیدے اور مزاج کے اعتبار سے میں نہ تو شیعی ہوں اور نہ سنی۔ میں اپنے آپ کو صرف ایک غیر مقلد اور آزاد خیال مسلمان سمجھتا ہوں۔

● اے۔ اے۔ اے۔ فیضی

مراسلات

ایک مراسلے کے جواب میں

یکم اگست کے ہماری زبان میں آوارہ بخاری پر جناب عبدالقوی دسنوی صاحب کا مضمون نظر سے گزرا۔ اور اسی مضمون سے متعلق جناب برہم ناتھ دت کا مکتوب ہماری زبان ۱۵ اگست ۱۹۷۲ء بھی نظر کے سامنے ہے۔ دت صاحب نے دسنوی صاحب کے مضمون پر جو اعتراضات کیے ہیں قابل غور ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: جناب عبدالقوی صاحب نے مخزن کے حوالے سے آوارہ بخاری کو خواجہ حسن نظامی کا شاگرد ظاہر کیا ہے اور اس سے متعلق تفصیلات بھی درج کی ہیں۔ اب اگر یہ تفصیلات درست نہیں (جیسا کہ دت صاحب کا کہنا ہے) تو اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔ اس صورت میں کہ دسنوی صاحب نے واضح طور پر ماخذ کے حوالے دیے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مخزن میں خواجہ صاحب کی شاگردی کے متعلق شائع شدہ تفصیلات کے برعکس جو روایت دت صاحب نے بیان کی ہے اس کو کسی ماخذ کے حوالے کے بغیر کس طرح صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ ہو سکتا ہے ان کا بیان کردہ واقعہ درست ہو لیکن کسی واقعہ کو غلط قرار دینے کے لیے صحیح واقعہ کے ماخذ کی نشان دہی ضروری ہوتی ہے۔ امید ہے دت صاحب اس طرف توجہ کریں گے۔ دت صاحب کے دوسرے اعتراض کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ دسنوی صاحب نے جو شعر نقل کیا ہے وہ دیباچہ مرحوم اور ان کے حوالے سے ماہنامہ مخزن اگست ۱۹۰۲ء میں موجود ہے۔ اگر دت صاحب کا لکھا ہوا شعر ہی درست مانا جائے تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ اس کے علاوہ کسی کو کیا حق ہے کہ وہ کسی ماخذ میں رد و بدل کرے۔

• ظہیر الاسلام

مولانا عرشی کا تجویز کردہ سن ہجری ۱۲۳۱ھ

ہماری زبان مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۷۲ء میں عارف عباسی صاحب کا مراسلہ نظر سے گزرا۔ آپ نے دیوان غالب "نسخہ امروہہ" کی باتفاق سن ہجری معلوم کرنے کا مسودہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ معلوم کیا ہے کہ انجمن ترقی اردو کی تقویم جنتری اور نول کشور کی تقویم جنتری میں اختلاف کیوں ہے؟

ابھی کچھ دن ہوئے مجھے ایک مخطوطہ لغت برہان قاطع، مولفہ محمد حسین دکنی کا ملا۔ اس پر تاریخ کتابت اس طرح درج ہے۔

"برہان قاطع از دست آقا حسین عرف فدا حسین ولد آقا مرزا شبیر، نواب حاتم خاں ابن آقا مقصود سلاطین زادہ ملک قجاق بتاریخ غرہ رمضان روز شنبہ ۱۲۳۱ھ"

نول کشور کی تقویم جنتری میں غرہ رمضان روز شنبہ ۱۲۳۱ھ لکھا ہوا موجود ہے!

لہٰذا حضرت مولانا عرشی صاحب کا تجویز کردہ سن ۱۲۳۱ھ دیوان غالب بخط غالب نسخہ امروہہ کے بارے میں بالکل صحیح قرار پاتا ہے! اس بنا پر مطبع نول کشور پریس کی تقویم جنتری انجمن ترقی اردو سے زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہے۔ اب کوئی وجہ نہیں کہ مولانا کے تجویز کردہ سن ۱۲۳۱ھ سے انکار کیا جاوے۔ کیونکہ برہان قاطع کے کاتب نے خود ماہ و روز و سن اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اس سے بڑی شہادت کون سی مل سکتی ہے!

• توفیق احمد قادری چشتی مالک پبلشنگ بکڈپو امروہہ

۱۹۷۴ء میں انیس کی صد سالہ برسی

(جناب اے۔ اے۔ اسا لیفٹی نے پروفیسر آل احمد سرور مدیر ہماری زبان کے نام انیس کی صد سالہ برسی کے سلسلے میں ایک خط برائے اشاعت بھیجا تھا۔ زیر نظر مراسلہ موصوف کے انگریزی خط کا اردو ترجمہ ہے۔)

میر انیس کا انتقال ۱۸۷۴ء میں ہوا۔ ۱۹۷۴ء میں اس واقعے کو سو سال ہو جائیں گے۔

سر شاہ محمد سلیمان کے خیال میں انیس اردو کے سب سے بڑے شاعر تھے۔ اپنی وفات سے کچھ ہی دنوں پہلے مرحوم نے مجھ سے کہا تھا کہ ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد ان کی اہم مصروفیت انیس پر ایک کتاب کی تیاری ہوگی جس میں وہ انیس سے متعلق اپنے اس نظریے کی وضاحت کریں گے۔ چیف جسٹس سلیمان نہ تو ادبی ناقد تھے اور نہ ریاضی داں کہ انیس کی شعری عظمت کی باقاعدہ پیمائش کرتے۔ لیکن وہ ایک منصف تھے۔ اس لیے انھوں نے انیس کے بارے میں مجھ سے جو کچھ کہا اس میں کسی قدر واقعیت ضرور ہوگی۔

انیس کی طرف سب سے پہلی بات جو ہمیں متوجہ کرتی ہے وہ ان کی ادبی تخلیقات کا حجم اور ضخامت ہے۔ ابھی اس کا عشر عشیر بھی منظر عام پر نہیں آ سکا ہے۔ دوسری بات یہ کہ مرثیے کی شعری صنف ہماری توجہ اور فکر کو ایک دائرے کا پابند بنا دیتی ہے اور غیر ارادی طور پر ہم اس حقیقت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں کہ اس محدود صنف میں انیس نے جادو شعری کی کیسی عظیم الشان مثال پیش کی ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کے پاس الفاظ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا اور وہ زبان پر بے پناہ قدرت رکھتے تھے۔ چوتھے یہ کہ بیانیہ شاعری کے محاسن پر انھیں مکمل عبور حاصل تھا۔ فطرت ان پر اپنے تمام راز منکشف کر دیتی تھی اور مختلف النوع انسانی کرداروں کی دید و دریافت اور عکاسی میں وہ شیکسپیئر کی نظر اور سلیقہ رکھتے تھے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ انیس اردو کے تنہا شاعر ہیں جو اپنی ہمہ جہت صلاحیتوں کی بنیاد پر کسی بھی زمانے کے عظیم فنکاروں کے ساتھ کھڑے کیے جا سکتے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں دوسرے اقدامات کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انیس پر صرف دو ایک نہیں بلکہ وقیع اور مستند کتابوں کی ایک ایسی سیریز تیار کی جائے جو ان کی تمام صلاحیتوں کا احاطہ کر سکے۔ انسانی مزاج و شخصیت کی مختلف حیثیتوں پر وہ بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ محبت اور نفرت، تحسین اور طنز، زبان اور فن، غنائیت اور لفظی تصویر کشی، سادگی اور پرکاری ان تمام خصوصیات میں انیس شاید کسی بھی دوسرے اردو شاعر سے آگے ہیں۔ محض ایک شعری صنف تک محدود رہنے کی وجہ سے انیس کی تمام فکری و فنی صلاحیتوں کا خاطر خواہ طور پر اندازہ نہیں لگایا جا سکا ہے۔ پھر یہ صنف بیسویں صدی کے انسان کی وسعت فکر کو شاید پوری طرح متوجہ اور آسودہ نہیں کر سکی اسی لیے انیس کی خدمات کے حقیقی امتیازات کی جانب سے عام طور پر غفلت برتی گئی ہے۔

یہ خیال کہاں تک صحیح ہے یا کس حد تک توجہ کا مستحق ہے اس کا فیصلہ آپ بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔ بہر صورت آپ ادب کے معلم ہیں اور میں اپنی تربیت، تعلیم اور غیر مربوط مطالعے کے باعث اردو شاعری کے محض ایک عاشق کی حیثیت رکھتا ہوں۔

(باقی صفحہ ۲ پر)

اخبار و اذکار

ریسرچ ایسوسی ایشن شعبۂ اردو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کا جلسہ

اردو ریسرچ ایسوسی ایشن کا اس سال کا پہلا جلسہ ۱۹ راگست ۱۹۶۶ء کو منعقد ہوا۔ پروفیسر آل احمد سرور صاحب صدر شعبۂ اردو نے اپنا وقیع مقالہ "غالب کی معنویت" کے عنوان سے پیش کیا۔

ابتدا میں سرور صاحب نے اس بات کی وضاحت کی کہ "ادب کا مقصد نہ علم میں اضافہ کرنا ہے، نہ معلومات عطا کرنا، نہ واقعات بیان کرنا۔ اس کا مقصد تخیل تجربے کی ترسیل ہے اور فن کی بڑائی اول تو تجربے کی تہ داری میں ہے دوسرے تجربے کی پیچیدگی میں۔ سرسید تحریک کے زیر اثر حالی نے غالب کے کلام پر مقصدیت کے نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی تو غالب کے ابتدائی کلام کو بے راہ روی سے تعبیر کیا اور باقی کلام کی توجیہ پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ یہ روایت کچھ ایسی چلی کہ بعد کے لوگ بھی غالب کے ابتدائی کلام کو نظر انداز کرتے رہے۔ غالب اپنے زمانے کی حدود کے پابند نہیں تھے۔ انھوں نے اس دور سے آگے نگاہ ڈالی، انھوں نے اس دور کا نمائندہ بننے کے بجائے فن کے پیچ پر زور دیا، اپنی نظر سے وفاداری کی عظمت واضح کی، فرد کی آزاد شخصیت پر اصرار کیا، تجربے کی پیچیدگی اور رنگا رنگی سے کام لیا، صرف وجدان کے بجائے دانش اور دانش کے وجدان پر زور دیا۔ گویا غالب کا شعری نظریہ حالی سے مختلف تھا۔

سرور صاحب نے اس تصور کو غلط قرار دیا کہ ہم اپنے ادب کو دوسروں کی عینک لگا کر دیکھیں۔ اور اس بات پر زور دیا کہ "ہر سماج کی تہذیب اپنے ہی پس منظر میں معنی دیتی ہے۔ اردو ادب نے ہندوستان کی سرزمین سے طاقت حاصل کی لیکن ساتھ ہی عجم کے حسن لطیف اور عرب کے سوز دروں سے بھی خود کو مالا مال کیا۔ یہ اندلس دیکھی کے ہندوستان کے سارے آثار چڑھاؤ، درد و داغ اور سوز و ساز اور نشے اور رنگینی کو واضح کرتا ہے اور ہر اثر کو جذب کر کے ماضی کا گنجینہ، حال کا آئینہ اور مستقبل کا اشاریہ ہو جاتا ہے۔ اس پر ہمیں شرمانے کے بجائے فخر کرنا چاہیے۔ اس میں جو رنگا رنگی پیدا ہوتی ہے اس کے پیش نظر اردوپن صرف حالی کی مناجات بیوہ یا آزاد کی سرپلی بانسری کا نام نہیں بلکہ غالب کے اردوپن کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا جس نے اردو کے سرمائے کی ساری رعنائی اس کے ماضی کی صلابت، فکر و تہذیب کی ارضیت و مادرائیت، انسان کی بلندی و پستی سب کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔"

سرور صاحب نے نسخۂ حمیدیہ کے اشعار کا مختصر سا انتخاب پیش کر کے فرمایا کہ "نسخۂ حمیدیہ میں میرے نزدیک کم سے کم تین سو شعر ایسے ہیں جنھیں غالب کے متداول دیوان میں جگہ ملنی چاہیے تھی۔ ان اشعار کی اہم ترین خصوصیت غالب کے تخیل کی پرواز ہے جو دشت امکاں کو ایک نقش پا سمجھتا ہے۔ غالب کے کلام میں بعض نقادوں کو تضادات نظر آتے ہیں لیکن شاعری کی زبان ایسی بصیرت کے ابلاغ پر زیادہ قادر ہے کہ اس میں نثر کے مقابلے میں تضادات بھی ہو سکتے ہیں۔ کسی بھی بڑے شاعر کی طرح غالب کے یہاں بھی زندگی کے تضادات کا احساس، ان کی کمزوری نہیں، طاقت ہے اور یہ زندگی کی معنویت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ان اشعار میں غالب کا فن اس کی بلاغت اس کی تہ داری، تراکیب کے ذریعہ معنی آفرینی، حسن آفرینی اور اختصار واضح خصوصیت کے طور پر موجود ہے۔

غالب نے زندگی کا غائر مطالعہ کیا تھا اور ان کے یہاں ایک دانش مندی پیدا ہو گئی تھی، جو سوال کرتی تھی اور سوال کے جواب کی طرف اشارہ کرتی تھی، جو صرف سطح کو نہیں دیکھتی تھی، بلکہ اس کی تہ کا ادراک رکھتی تھی۔ غالب کی تشکیک ایک نئے ایمان کی تلاش ہے اور ان کی شوخیٔ اندیشہ کائنات کے معنی و مقصد اور حیات کے مفہوم تک پہنچنے کی داستان ہے۔

غالب کی شاعری اس لئے ہماری نظر میں بڑی معنویت رکھتی ہے کہ اس میں فن کار کی اپنے فن سے پوری وفاداری ملتی ہے۔ فن کی تازہ کاری کے علاوہ زندگی کو برابر دیکھنے اور ہر طرح دیکھنے کا حوصلہ بھی نظر آتا ہے۔ بعد کے لوگوں نے بھی غالب کا اثر قبول کیا ہے۔ ان کی شاعری آج سائنس اور سیاست کے دور میں بھی انسان کو اپنی ذات کے عرفان اور کائنات سے ایک نیا اور صحت مند رشتہ قائم کرنے میں معاون ہو سکتی ہے۔"

خواجہ مسعود علی ذوقی صاحب نے حالی کے نظریۂ فن پر بحث کرتے ہوئے اس کی وضاحت چاہی۔ سرور صاحب نے فرمایا کہ حالی کی تخلیقات کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ حالی کے خیال میں لکھنؤ اسکول دلی اسکول سے گیا گزرا ہے۔ لیکن دلی اور لکھنؤ دونوں جگہ اچھے اور کمتر درجے کے شعرا نظر آتے ہیں۔ حالی کی اہمیت تسلیم لیکن ہمیں اپنے پورے سرمایے کا جائزہ لینا ہوگا، اور ادب کے ہر رنگ کو پہچاننا ہوگا۔ خلیل صاحب نے فرمایا کہ یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ آیا حالی کے سامنے غالب کا متداول کلام تھا یا مکمل کلام۔ اندازہ یہ ہے کہ ان کے سامنے صرف متداول دیوان تھا اس لئے ان پر یہ الزام غلط ہوگا کہ انھوں نے غالب کو پورے طور پر نہیں سمجھا۔ دوسرے یہ امر بھی دلچسپ ہے کہ حالی نے مقدمہ کے نظریات کو یادگار غالب پر منطبق نہیں کیا۔ سادگی، جوش، اصلیت وغیرہ کے بجائے ان کی جدت پر زور دیا۔ سرور صاحب نے فرمایا کہ یادگار میں دس بارہ شعر نسخۂ حمیدیہ کے بھی ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حالی نے یہ نقطۂ نظر اپنایا کہ نسخۂ حمیدیہ کے اشعار کو خود غالب نے متروک قرار دیا تھا۔ یادگار میں حالی غالب کی شاعری اور سوانح کی افادیت پر زور دینا چاہتے ہیں۔

● عتیق احمد صدیقی

حضرت شفا گوالیاری مرحوم کی پہلی برسی

بھوپال:- مرکزی بزم شفا کی جانب سے یعقوب مسلم، واحد پریمی اور مظفر رئیس کے زیر اہتمام ۲۰ رجولائی ۱۹۶۶ء کی شب سیماب اسکول کے نامور شاعر اور ملک کے مسلم الثبوت استاد و جانشینِ ڈاکٹر شفا گوالیاری مرحوم کی پہلی برسی نہایت شاندار طریقے پر منائی گئی۔

پروگرام کے تحت سب سے پہلے مظفر رئیس نے رپورٹ پیش کی اس کے بعد واحد پریمی نے مولانا عبد الماجد دریابادی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر یوسف حسین خاں اور علی جواد زیدی کے پیغامات پڑھ کر سنائے۔

پیغامات کے بعد حضرت مخلص بھوپالی کی صدارت میں تقریباً ۹ بجے شب "بزم مقالات و تقاریر" کا آغاز ہوا جس میں مخلص بھوپالی، سید محمود الحسینی، ڈ مدیر "افکار" بھوپال، ڈاکٹر سید حامد حسین اور منصور لطیف نے مقالات پڑھے اور

اختر سعید، ایم عرفان، پروفیسر آفاق احمد نے تقاریر کیں اور شفا مرحوم کی شخصیت اور فن پر روشنی ڈالی۔

مشاعرہ تقریباً تین بجے رات کو نہایت کامیابی سے اختتام پذیر ہوا۔ پورے پروگرام کو جناب عشرت قادری نے حسن و خوبی کنڈکٹ کیا۔

• منظفر رئیس جنرل سکریٹری مرکزی بزم شفا بھوپال

اسلامیہ کالج لکھنؤ کی امداد کے لئے تمثیلی مشاعرہ

لکھنؤ: امیر الدولہ اسلامیہ انٹر کالج لکھنؤ کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا ایک جلسہ عرفان لکھنوی کی صدارت میں ہوا۔

یہ طے کیا گیا کہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو رویندرالیہ لکھنؤ میں مغلیہ دور کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے عہد کے ایک مشاعرہ کا تمثیل پیش کی جائے جو قلعۂ معلیٰ دلی میں ہوا تھا۔ یہ تمثیلی مشاعرہ مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی کی لکھی ہوئی تمثیل "دہلی کی آخری شمع" کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔

مشاعرہ کے انتظامات کے سلسلے میں عرفان لکھنوی، وحید الزماں اور سرفراز علی صاحبان پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل ہوئی ہے۔

• سکریٹری امیر الدولہ اسلامیہ انٹر کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

گورنمنٹ کالج ٹونک راجستھان میں اردو تقریری مقابلہ

۲۳ اگست کی سہ پہر کو گورنمنٹ کالج ٹونک میں "آج کی تعلیم صرف حصول معاش کا ذریعہ ہے" کے موضوع پر ایک تقریری مقابلہ ہوا جس میں تیرہ طالب علم شریک ہوئے۔ اس مقابلے میں جو طلبہ ممتاز قرار دیے گئے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ فرید الدین خاں، فائنل ایر بی۔ ڈی۔ سی آرٹس۔ اوّل

۲۔ سیف اللہ خاں شمیم، فائنل ایر بی۔ ڈی۔ سی آرٹس۔ دوم

۳۔ برجا دیوا لا۔ فائنل ایر بی۔ ڈی۔ سی آرٹس۔ سوم

جلسے کی صدارت پروفیسر ابو الفیض عثمانی صاحب نے فرمائی۔ اختتام پر کالج کے پرنسپل عالی جناب آر۔ پی۔ نگم صاحب نے طلبہ کی تقاریر پر ان کی ہمت افزائی کرتے ہوئے اصل موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

• سیف اللہ شمیم

شب افسانہ

بھوپال: انجمن اردوئے معلیٰ کی ایک حالیہ ادبی نشست زیر صدارت علامہ مجوی صدیقی کا آغاز پروفیسر عبد القوی دسنوی کی تقریر سے ہوا۔ موصوف نے شعبۂ اردو کی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا۔ بعد ازاں پروفیسر حمید عباس رضوی صاحب نے اردوئے معلیٰ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور طلبہ کی دلچسپی کو سراہا۔

اردوئے معلیٰ کے سال گزشتہ کے معتمد جناب متین سیف نے اپنی سالانہ رپورٹ پیش کی۔

سال رواں کے معتمد جناب ظہور الاسلام نے مجوزہ پروگراموں کا خاکہ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک پندرہ روزہ "خبرنامہ" کا اجراء انجمن کا اہم منصوبہ ہے۔

اس کے بعد شب افسانہ کا آغاز ہوا، جس میں جناب اقبال مسعود، جناب موہن سنگھ اور عزیز سابق اقبال نے اپنی تخلیقات پیش کیں۔

علامہ مجوی صدیقی نے اپنی صدارتی تقریر میں طلبہ کے معیاری افسانوں کی تعریف کی اور انجمن کے مجوزہ خبرنامہ کے اجراء کی پرزور حمایت کرتے ہوئے ہر ممکن تعاون کا وعدہ فرمایا۔

پروفیسر رضوی کے اظہار تشکر کے ساتھ ہی یہ دلچسپ صحبت اختتام پذیر ہوئی۔

• نامہ نگار

عظیم انقلابی "برکت اللہ بھوپالی" پر کتاب

عظیم انقلابی برکت اللہ بھوپالی پر بھوپال کے مشہور مورخ ایم عرفان صدر شہری انجمن ترقی اردو کی کتاب شائع ہو گئی ہے۔ یہ کتاب ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۲۰ تاریخی فوٹوز ہیں۔

برکت اللہ بھوپالی ۵۰ سال تک مادر وطن کی آزادی کے لئے لڑتے رہے۔ متعدد خفیہ انقلابی تنظیموں کے سربراہ، متعدد انقلابی اخباروں کے ایڈیٹر، غدر پارٹی (امریکہ) کے بانی رکن اور جرمنی میں ہندوستان کی پہلی جمہوری سرکار کے وزیر اعظم تھے۔

بھوپال میں ایم عرفان صاحب کو ان کی اس عظیم پیشکش پر استقبالیہ دینے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔

• آفاق احمد

حمیدیہ اور سیفیہ کالج کی ادبی تنظیمیں

بھوپال: مقامی حمیدیہ آرٹس اینڈ کامرس کالج کی ۲۳ سالہ قدیم ادبی انجمن "بزم ادب" کے انتخاب میں اس سال ایم اے فائنل اردو کے طالب علم جناب اسرار احمد خاں صدر منتخب ہوئے۔ دوسرے عہدیداروں میں مس رضیہ سلطان (سکریٹری) جناب حمید اللہ خاں (نائب صدر) اور سید ناصر احمد نقوی (نائب سکریٹری) شامل ہیں۔

سیفیہ کالج کی "اردوئے معلیٰ" جو گزشتہ سال قائم ہوئی تھی، اور جس نے متعدد کامیاب ادبی نشستیں کی تھیں اس کی صدر مس رضیہ فضیل احمد جو ایم اے فائنل اردو کی طالبہ ہیں منتخب ہوئی ہیں۔ دوسرے عہدیداروں میں اقبال مسعود (نائب صدر) ظہور الاسلام (ناظم) حمیدہ اقبال (نائب ناظم) شامل ہیں۔

• نامہ نگار

ہندوستانی اخبارات کے اعداد و شمار

نئی دہلی۔ ہندوستان کے اخباروں کے رجسٹرار کی ۱۳ویں سالانہ رپورٹ کل پارلیمنٹ میں پیش کی گئی۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گذشتہ ۱۹۶۸ء کے دوران میں اخباروں اور جرائد کی تعداد ۱۰،۰۱۹ تک پہنچ گئی جب کہ گذشتہ ۱۹۶۷ء میں ان کی تعداد ۹۳۱۵ تھی۔ اس طرح اخباروں اور جرائد کی تعداد میں ۷.۶ فیصد اضافہ ہوا اگر غیر شامل شدہ زمروں کے ۴۳۴ اخباروں کو جو صحیح معنوں میں اخبار نہیں ہیں وقتاً فوقتاً اشاعت کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو ۱۹۶۸ء کے اختتام پر شائع ہونے والے اخباروں کی تعداد ۱۰۴۵۳ بیٹھتی ہے جبکہ گذشتہ ۱۹۶۷ء کے آخر میں ان کی تعداد ۹۷۸۶ تھی۔

ملک میں شائع ہونے والے ۱۰۰۱۹ اخباروں اور جرائد میں سے ۶۳۹ روزنامہ ۵۱ دو روزہ اور سہ روزہ تھے اور ۲۸۹۲ ہفت روزہ تھے دیگر قسم کے جرائد کی تعداد ۶۴۳۷ تھی۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ زیر تبصرہ عرصہ کے دوران میں ملک میں ۹۴ زبانوں میں اخبار شائع ہوتے تھے ان میں سے ۱۵ بڑی زبانوں کے اور ۴۳ "دیگر" زبانوں کے اخبار تھے جبکہ ۱۹۶۷ء میں ۵۴ زبانوں میں شائع ہوتے تھے بڑی زبانوں میں سے سب سے زیادہ تعداد (۲۳۸۱) ہندی کے اخباروں کی تھی دوسرے نمبر پر (۲۰۷۴) انگریزی میں شائع ہونے والے اخبار تھے۔ باقی زبانوں کے اخباروں کی تعداد کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اردو (۹۰۲) بنگالی (۶۴۳) گجراتی (۵۸۳) مرہٹی (۵۱۱) تامل (۴۹۳) ملیالم (۲۷۷) تیلگو (۲۷۸) کنٹر (۲۳۱) پنجابی (۲۱۲) اڑیہ (۱۰۵) سندھی (۹۸) آسامی (۳۲) اور سنسکرت (۲۹) پہلی مرتبہ ایک ایک اخبار اودھی اور دانگی زبانوں میں شائع ہوا۔ اخباروں کی کل دو کروڑ ۴ لاکھ ۵۰ ہزار اشاعت کے ایک چوتھائی حصّے سے کچھ زیادہ حصّہ ۵۰ لاکھ بیس ہزار انگریزی کے ۲۰۷۴ اخباروں کا تھا۔ اس کے بعد سب سے زیادہ اشاعت ۴۴ لاکھ ۹۹ ہزار ہندی کے اخباروں کی تھی جو کل اشاعت کا ۱۸.۶ فیصد تھا سب سے زیادہ اشاعت مہاراشٹر سے شائع ہونے والے اخباروں کی تھی سب سے زیادہ فی اخبار اوسط اشاعت جنوبی خطے میں تھی دوسرے نمبر پر مغربی خطے تیسرے اور چوتھے نمبر پر بالترتیب مشرقی اور شمالی خطہ تھا سب سے کم فی اخبار اوسط اشاعت وسطی خطے کی تھی۔ • سیاست

اردو کمیٹی کا قیام

لکھنؤ، آج اتر پردیش قانون ساز کونسل نے ۱۸ ارب ۴۳ کروڑ ۶۱ لاکھ روپیہ کا ریاستی تصرف بل پاس کر دیا۔ بل پر بحث کے دوران بینکوں کو قومی ملکیت میں لے جانے کا اپوزیشن کے بیشتر ممبروں نے خیر مقدم کیا اور ریاستی حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ عوام کے مفاد میں اس قسم کا رخ اختیار کرے ایک کانگریسی ممبر نے مطالبہ کیا کہ اردو زبان کی ترقی کے لئے تدابیر اختیار کی جائیں۔ وزیر مالیات کشمی رمن آچاریہ نے کہا کہ حکومت اردو کمیٹی مقرر کرنے پر غور کر رہی ہے لیکن اردو ریاست کی دوسری زبان نہیں ہو سکتی۔ • سیاست

اردو کا دستوری حق

آندھرا پردیش کی اسمبلی میں گورنر کے خطبہ پر بحث کے دوران میں ایک ممتاز ممبر مسٹر شیواراؤ دیشمکھ پونے اردو زبان میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اردو آندھرا کی دوسری سب سے بڑی زبان ہے اور اسمبلی میں اردو میں تقریر اس کے دستوری حقوق کے عین مطابق ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کا گریجویٹ ہوں یہاں میں نے ساری اعلیٰ تعلیم اردو کے ذریعہ حاصل کی ہے علاوہ بریں اردو میری مادری زبان ہے۔

ان کی اردو تقریر پر بعض ممبروں نے جن میں کانگریسی بھی شامل تھے کہا کہ جس زبان میں تقریر ہو رہی ہے وہ اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس پر اسپیکر نے کہا کہ ایوان کے ممبران کسی بھی زبان میں بلا روک ٹوک کے تقریر کر سکتے ہیں اور مقرر نے معترضوں کو یہ مسکت جواب دیا کہ جو لوگ بارہ سال سے حیدرآباد میں (یعنی اس کے آندھرا میں انضمام کے بعد) مقیم ہیں اب تک وہ یہاں کی عوامی زبان سیکھنے سے قاصر ہیں۔

ایک یوپی اسمبلی بھی اسی ہندوستان میں ہے جہاں اردو میں تقریر تو کجا اردو زبان میں حلف برداری بھی گوارا نہیں اور اس سلسلے میں کانگریسی اور جن سنگھی دونوں یکساں نظر آتے ہیں۔ • سیاست

زبانوں کی تعلیم کے لئے علاقائی مراکز

نئی دہلی:۔ ہندوستانی زبانوں کے مرکزی انسٹی ٹیوٹ کی ماہرین پر مشتمل مشاورتی کمیٹی کی ایک میٹنگ یہاں تعلیم اور نوجوانوں کے امور کے مرکزی نائب وزیر پروفیسر وی کے آر وی راؤ کی زیر صدارت ہوئی۔

غیر رسمی گفتگو کے دوران پروفیسر راؤ نے کہا کہ انسٹی ٹیوٹ کا قیام ملک میں زبانوں سے متعلق سرکاری پالیسی پر عمل درآمد اور مشورے دینے کی غرض سے کیا گیا تھا۔

اس مقصد کے پیش نظر انسٹی ٹیوٹ ملک میں چار علاقائی مراکز قائم کرے گا جن میں ہندی بولنے والے ٹیچروں کو دیگر ہندوستانی زبانوں کی تعلیم دی جائے گی یہ مراکز بالترتیب شمالی زبانوں کے لئے پٹیالہ میں، مشرقی زبانوں کے لئے بھوبنیشور میں، مغربی زبانوں کے لئے میسور میں واقع ہوں گے۔ • قومی آواز

آندھرا پردیش اور اردو

۱۲ر اگست کو آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ نے اسمبلی میں اعلان کیا کہ آندھرا پردیش میں اردو کو تلگو کے بعد دوسری سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے اردو کو ترقی دینے اور پھلنے پھولنے کے مواقع آج سے نہیں بلکہ آندھرا پردیش کے قیام کے بعد ہی سے فراہم کئے جا رہے ہیں، اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس کے علاوہ جونیئر کالجس بھی قائم کئے جا رہے ہیں۔

انھوں نے تفصیل کے ساتھ ریاست میں اردو کے مرتبے پر حکومتی موقف ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ریاستی وزیر تعلیم جناب پی وی نرسمہا راؤ اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس قائم کرنے کے تعلق سے مختلف امور کا جائزہ لے رہے ہیں۔ • رہنمائے دکن

تبصرہ

ڈاکٹر شمیم حنفی

کتاب : یک چمن گل (مجموعۂ کلام)

مصنف : اختر اورینوی

نیلگوں پس منظر میں ہرے بھرے درخت، سرسبز و شاداب پھول، شراب و شیشہ و ساغر اور سامانِ نغمہ :

یک چمن گل، یک نیستاں نالہ، یک خمخانہ مے

اختر صاحب کے مجموعے کے سرورق پر جس منظر کی خاکہ کشی کی گئی ہے، بڑی حد تک وہی ان کے شعری مزاج کا پس منظر بھی ہے۔ تنقید، افسانہ اور شعر، ان تینوں دائروں میں ان کی حیثیت منفرد ہے۔ تنقید میں وہ سماجی مفکر ہیں، افسانے میں حقیقت پسند اور شاعری میں ان کا علاقہ رومانوی انداز نظر سے ہے۔ فارسی شعر و ادب سے وہ گہرا شغف رکھتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ انھوں نے ایرانیوں کے احساسِ جمال اور تہذیبی لطافتوں کو اپنی شخصیت میں جذب بھی کیا ہے۔ چنانچہ ان کی حقیقت پسندی کے باوجود مشرقی روایات کی مخصوص رومانی فضا نے ان کے شعری کردار کو حاوی رکھا ہے۔ ایسا شاید اسی لئے ہے کہ تخلیقِ شعر کا عمل ایک منزل پر خارجی کائنات کی گرفت سے آزاد ہو کر شاعر کے دل کی دنیا میں ہی اپنی راہوں کا جستجو کرتا ہے۔

یہ مجموعہ اختر صاحب نے غالب کو نذر کیا ہے۔

"دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں"

کی زمین میں قصیدہ بہ حضور غالب اس مجموعے کی پہلی تخلیق ہے اور اس میں شک نہیں کہ خاصی کامیاب حد تک اختر صاحب نے غالب کی اس عظیم الشان منقبت کی بیرونی فضا اپنے قصیدے میں مرتب کی ہے۔ اس میں وہ عظیم الشان فکری تمکنت، احساس کی صلابت و شدت اور پرجلال صدا انگیزی تو نہیں جو موضوع کی مناسبت سے غالب کے یہاں تشبیب میں نظر آتی ہے لیکن سوقیانہ زمانت اور خیال کی نزاکت کے باعث اختر صاحب کے یہ اشعار قاری کو متاثر کرنے کی صلاحیت ضرور رکھتے ہیں۔

رحلت نہرو اور شہید امن جیسی نظموں کے ساتھ نشترِ آرزو، افسردگی، سرخت جاناں، حسن گریزاں اور اے دوست پڑھتے وقت اس نتیجے تک پہونچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ اول الذکر دو نظمیں اختر صاحب کے زاویۂ فکر کے جواز محض کی حیثیت رکھتی ہیں جبکہ آخری الذکر نظموں میں ان کے حقیقی شعری مزاج کا فطری اور بے ساختہ اظہار ہوا ہے۔

اس مختصر مجموعے میں نظموں کے علاوہ غزلیں بھی ہیں۔ رومانی فکر، فارسی آہنگ اور معاملاتِ حسن و عشق کے مانوس موضوعات کے باعث ان کی غزلیں اپنی روایت سے بیگانہ نہیں۔ زیادہ تر ان میں خالص عشقیہ اشعار ہیں۔ کہیں کہیں سنجیدہ مسائل پر انھوں نے اپنے خیالات بھی نظم کردئے ہیں۔ اچھی شاعری کے لئے خیال کا احساس کی سطح تک پہونچنا ضروری ہے۔ یہی کمی اختر صاحب کے یہاں کہیں کہیں محسوس ہوتی ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں

نہ ملی جنوں کو جو چھلی تو نگاہ ناز پہ حرف رکھ
مری آگہی کا ورق ورق، غمِ آگہی کی کتاب ہے

بامِ محبوب پہ بیتاب نظارے ہوں گے
سجدہ گاہ دل و جاں کوچۂ دلدار تو ہو

میں نے اشجار کے کنجوں میں پکارا تم کو
آ کے تم لوٹ گئے پردۂ مژگاں کے قریب

رات خاموش ہے ایسے میں تم آ دیکھ لو
دل مضطر مرا مائل بہ فغاں ہوتا ہے

طور دفادان بن گئے، آتش کدے عرفان کے
قبلۂ نظارگی ہے کس صنم خانے کی آگ

آخری دو غزلیں فارسی کی ہیں ایک بہت اچھا شعر سنئے :

چہ سراب عقل و حکمت، چہ حجاب دین و ایماں
چہ نقاب ناز و عشوہ، ہمہ سو شکستہ پائی

چونسٹھ صفحوں کا یہ مجموعہ تین روپئے میں کتاب منزل، سبزی باغ پٹنہ ۴ سے مل سکتا ہے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

صحرا صحرا (مجموعۂ کلام)

مصنف :- صبا جائسی

ناشر :- کتاب گھر، بنی اسرائیلان، علی گڑھ

صفحات :- ۱۲۸

قیمت :- دو روپے ستر پیسے

آجکل (جدید ہندوستانی شاعری نمبر)

مدیر :- شہباز حسین

ناشر :- پبلیکیشنز ڈویژن، اولڈ سکریٹریٹ دہلی

قیمت :- ایک روپیہ صفحات ۹۶

طاب تاب

مصنف :- مولانا مخدوم علی سہروردی تاب

صفحات :- ۸۰

قیمت :- ایک روپیہ

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ ، پرنٹر و پبلشر سید بنیاد علی نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا